مولانا وحید الدین خان صاحب انڈیا

مولانا الیاس رح

اور

ان کا تبلیغی مشن

اکتوبر ۱۹۳۰ء کا واقعہ ہے۔ ڈاکٹر محمد اقبال اپنے لاہور کے مکان میں آرام کرسی پر نیم دراز ہیں۔ حقہ سامنے
اتنے میں ایک شخص داخل ہوتا ہے علیک سلیک اور رسمی مزاج پرسی کے بعد گفتگو شروع ہوتی ہے۔

"آپ ایک کتاب لکھیئے" ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔

"کیسی کتاب" نو وارد نے پوچھا۔

تحقیقات کرنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان کے قصبات اور دیہات میں ہزارہا غیر مسلم حلقۂ اسلام
داخل ہو رہے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان از خود مسلمان ہونے والوں سے ملے اور ان سے قبول اسلام کے اسباب
دریافت کر کے ایک کتاب میں جمع کر دے تو اس سے تبلیغ اسلام کے مقصد کو بے حد تقویت حاصل ہوگی۔

"کیا صداقت اسلام کے متعلق پہلے دلائل ناکافی ہیں"

"بہت کافی ہیں مگر ایسا کرنے سے کئی ایسے عجیب اور جدید دلائل آپ کو ملیں گے کہ دنیا حیرت زدہ رہ جائے
میں یہ سمجھتا ہوں کہ دل اور دماغ کے کام کرنے کے طریقوں میں بہت فرق ہے۔ دماغ اکثر اوقات ہزارہا مضبوط
دلائل کو مسترد کر دیتا ہے اور ان کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا۔ لیکن دل اس کے برعکس بعض اوقات کمزور سے
چیزوں سے اس قدر متاثر ہوتا ہے کہ صرف ایک ہی جھٹکے میں زندگی کا سارا نقشہ بدل جاتا ہے۔ قبولِ اسلام
تعلق جس قدر دل سے ہے، دماغ سے نہیں۔ اصل بات جو مبلغ کو معلوم ہونا چاہیئے یہ ہے کہ وہ کون کون سے
نشتر ہیں جن سے دل متاثر ہوا کرتے ہیں۔ کفار اور مشرکین کے انقلاب حیات کی ہزارہا مثالیں تاریخ اسلام میں
موجود ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص اپنے حالات کے تحت ایک خیال یا ایک مذہب پر چٹان کی طرح قائم رہتا
ہے۔ ناگہاں غیب سے اس کے دل پر ایک نشتر چلتا ہے۔ اور چشم زدن میں اس کی زندگی کی تمام گزشتہ تاریخ

بدل جاتی ہے ۔صداقت اسلام کے عقلی دلائل تو آپ کے پاس بہت ہیں مگر قلبی دلائل کم ہیں اگر آپ نومسلموں کے پاس جائیں تو وہ بتائیں گے کہ اسلام کی وہ کونسی بے ساختہ ادا تھی جو ان کے دل کو بھا گئی ۔اگر ان کے بیانات ایک کتاب میں جمع کر دئے جائیں تب مجھے یقین ہے کہ انقلاب حیات کی ایک بالکل نئی دنیا ہمارے سامنے آجائے گی اور انہیں اشاعت اسلام کے لئے ایسے نئے دلائل یا جدید ہتھیار مل جائیں گے جن سے اسلام کا موجودہ کتب خانہ خالی ہے ۔"

اس کے بعد مثال کے طور پر چند واقعات بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر اقبال نے مزید کہا ۔

" قبول اسلام میں اصل چیز دل ہے جب دل ایک تبدیلی پر رضامند ہو جاتا ہے اور کسی بات پر قرار پکڑ لیتا ہے تو پھر باقی تمام جسم پر اس کے سوا کچھ نہیں کرتا کہ وہ اس تبدیلی کی تائید کے لئے وقف ہو جائے ۔

ہمیں اسلام کے قدیم و جدید مبلغوں میں ایک واضح فرق نظر آتا ہے ۔قدیم مبلغوں کا وار غیر مسلموں کے دلوں پر ہوتا تھا ۔ وہ اپنی للہیت ، بےنفسی ، خوش خلقی اور احسان و مروت کی جادو اثر دواؤں سے دلوں کو گرویدہ کرتے ہیں اور اس طرح ہزارہا لوگ از خود بغیر کسی بحث و تکرار کے ان کے رنگ میں رنگ جاتے مگر جدید مبلغوں کا سارا زور دماغ کی تبدیلی پر صرف ہوتا ہے وہ صداقت اسلام پر ایک دلیل دیتے ہیں ۔مقابلہ میں دوسری حجت غیر مسلم پیش کرتے ہیں اس پر بحث و تقریر شروع ہو جاتی ہے ۔مسلمان بات پر اڑ جاتا ہے ۔غیر مسلم اپنے قول پر تن جاتا ہے ۔اس سے ضد پیدا ہو جاتی ہے اور ہدایت ختم ہو "مبلغین اسلام کو دلوں کے متاثر کرنے کے لئے نکلنا چاہئے یا دماغوں کے ۔"

ڈاکٹر اقبال نے مزید تفصیل کرتے ہوئے کہا

اس کے فیصلے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم فطرت کی روش کی پیروی کریں ۔غور کرنے سے معلوم ہوگا فطرت اپنی فتوحات حاصل کرنے کے لئے اپنا تعلق ہمیشہ دلوں سے جوڑتی ہے ۔فطرت کھانے میں لذت پیدا کرتی ہے ۔اور آپ اسے بے اختیار کھا جاتے ہیں ۔اس وقت ایک بھی شخص دماغ سے یہ نہیں پوچھتا کھانا طبعی لحاظ سے مفید ہوگا ۔آپ کہیں جا رہے ہوتے ہیں کہ ناگہاں پھولوں کی ایک خوشنما زمین اور جو کا ایک حسین نظارہ سامنے آجاتا ہے ۔آپ وہاں بے اختیار بیٹھ جاتے ہیں وہیں ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا آتا ہے ۔اور آپ کو میٹھی نیند سلا دیتا ہے ۔اس وقت کوئی بھی شخص دماغ سے یہ نہیں پوچھتا کہ مجھے سونا چاہئے یا نہیں ۔مختصر یہ کہ فطرت ہر کام میں اسی طرح دلوں کو گرویدہ کر کے مطلب نکالتی ہے دماغوں کی طرف کبھی متوجہ نہیں ہوتی ۔

اسلام چونکہ سرا سر نور فطرت ہے اس واسطے مبلغین اسلام کو چاہئے کہ اخلاق و محبت کی گ

سے دلوں کو اس طرح شکار کریں کہ ان میں سرکشی اور انکار کی سکت ہی باقی نہ رہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ مبلغ اسلام، اسلامی کیریکٹر کی عظمت کے مالک ہوں تاکہ سرکش سے سرکش آدمی بھی ان کے سامنے اپنی گردن جھکا دے۔ باقی رہے دماغی مباحث اور عقلی تکرار۔ تو اس سے نہ تو دل مطمئن ہو سکتے ہیں نہ منقلب ہو سکتے ہیں اور نہ فطرت رام ہو سکتی ہے۔"

شاید یہ کہنا صحیح ہو گا کہ مولانا الیاس صاحب کی ذات اور ان کی پھیلائی ہوئی تبلیغ، کم از کم مسلمانوں کے اندر کام کی حد تک، ڈاکٹر اقبال کے اسی خواب کی تعبیر ہے۔ مولانا کی پوری زندگی اور تبلیغی تحریک کی پوری تاریخ اس طریق تبلیغ کی مثالوں سے بھری پڑی ہے اور اس کے حیرت انگیز نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ یہاں واقعات کو جمع کرنا مقصود نہیں ہے۔ میں اصل مدعا کو واضح کرنے کے لئے صرف ایک مثال نقل کروں گا۔

ایک عربی مدرسہ کے کچھ طلبا مولانا الیاس صاحب کے یہاں حاضری کے لئے نظام الدین گئے۔ ان میں ایک نہایت شریر طالب علم تھا جس کو اس کے ساتھیوں نے کہہ سن کر وہاں جانے کے لئے راضی کیا تھا۔ یہاں نے کو تو وہ طالب علم چلا گیا۔ مگر جب رات ہوئی اور لوگ سو گئے تو کچھ کو لے کر سینما دیکھنے کے لئے دہلی روانہ ہو گیا۔ ان لوگوں کو نظام الدین سے دہلی جانے کے لئے بس مل گئی مگر دوسرا شو دیکھ کر جب وہ فارغ ہوئے تو واپسی کے لئے کوئی بس نہیں تھی مجبوراً رات کو یہ لوگ دہلی میں رہ گئے۔

یہاں نظام الدین میں صبح کی نماز کے بعد حسب معمول جب مولانا الیاس صاحب وعظ کے لئے ممبر پر بیٹھے تو انہوں نے کہا۔

مدرسہ کے لوگ جو کل شام کو آئے ہیں وہ سب قریب آ جائیں۔ اس وقت وہاں صرف دو طالب علم تھے مولانا نے کہا خیر انتظار کیجئے۔ وہ لوگ شاید ضروریات کے لئے کہیں گئے ہوں گے واپس آ جائیں گے تو گفتگو شروع ہو گی۔ مگر وہ لوگ کافی دیر بعد نظام الدین پہنچے اب ان کا معاملہ مشتبہ ہو گیا۔ نیز بعض ذریعوں سے بھی معلوم ہو گیا کہ وہ لوگ سینما دیکھنے کے لئے دہلی گئے ہوئے ہیں۔

اس وقت مذکورہ مدرسہ کے ناظم صاحب بھی نظام الدین میں موجود تھے انہیں جب معلوم ہوا کہ طلبہ نے یہاں آ کر اس قسم کی "بے ہودگی" کی ہے تو وہ سخت برہم ہوئے۔ مذکورہ طالب علم کے بارے میں پہلے ہی سے ان کی رائے خراب تھی کیونکہ مدرسہ میں بری عادتوں کی وجہ سے کافی بدنام تھا وہ اس قدر ڈھیٹ ہو چکا تھا کہ ایک بار مدرسہ کی انجمن کے لئے چندہ وصول کرنے گیا اور اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے ۲۰ ہزار روپے وصول کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ مگر روپیہ ملا تو اس نے پورے روپیہ کی ناولیں خرید ڈالیں اور ان کے پارسل

انجمن کے کتب خانہ کے نام روانہ کردئے۔ یہاں جب ذمہ داران مدرسہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے بند ھے ہوئے بنڈل بازار میں بھجوا دئے۔ اور انہیں ردی میں فروخت کر دیا۔

رات کے واقعہ کے بعد سارے واقعات ناظم صاحب کے ذہن میں آگئے۔ اس سے پہلے اس کو سمجھانے بجھانے کی ساری کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ انہوں نے سوچا کہ اب یہ لڑکا ناقابل اصلاح ہو چکا ہے اور مدرسہ کو مزید بدنامی سے بچانے کے لئے اس کا فوراً اخراج ہونا چاہئے چنانچہ انہوں نے مدرسہ کے صدر مدرس کو خط لکھا۔ کہ فلاں طالب علم نے یہاں آکر ہمارے مدرسہ کو سخت بدنام کیا ہے۔ ان کے نام فوراً مدرسہ سے خارج کر دئے جائیں۔

ادھر جو صاحب اس طالب علم کو کہہ سن کر نظام الدین لے گئے تھے وہ پریشان ہوئے ان کی سمجھ میں آیا کہ مولانا الیاس صاحب سے یہ تمام بات کہہ دی جائے چنانچہ تنہائی میں حاضر ہو کر انہوں نے مولانا کو پورا واقعہ بتا دیا۔ مولانا نے کہا ٹھیک ہے فکر نہ کرو اللہ تعالیٰ سب درست فرما دے گا۔

اس کے بعد عصر کی نماز پڑھ کر جب شام کی مجلس ہوئی تو مولانا نے کاغذ قلم اور لفافہ منگوایا اور مدرسہ کے ناظم صاحب کو قریب بلا کر کہا کہ آپ کے مدرسہ کے صدر مدرس صاحب کے نام ایک خط میں املا کراتا ہوں اس کو لکھئے۔ اس کے بعد انہیں کے ہاتھ سے اس مضمون کا خط لکھوایا کہ

> " آپ کے مدرسہ سے کچھ لڑکے یہاں آئے۔ میں ان سے بہت خوش ہوں۔ وہ یہاں سے بہت کچھ لے کر جا رہے ہیں میری خصوصی دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔ اور آپ سے گذارش ہے کہ آپ ان سے اعزاز و اکرام کا معاملہ فرمائیں۔ اس کے بعد ناظم صاحب سے کہا۔ کہ آپ بھی اس پر اپنی تصدیق لکھئے۔ ناظم صاحب نے خاموشی سے تصدیق لکھ دی۔ اور اس کے بعد مولانا نے اپنے ہاتھ سے وہ خط لفافہ میں بند کر کے اپنے خاص آدمی کو دیا کہ جاؤ ڈاک میں ڈال آؤ "

اس واقعہ کا اتنا زبردست اثر ہوا کہ مدرسہ کا سب سے زیادہ شریر طالب علم وہاں کا سب سے زیادہ شریف اور سنجیدہ طالب علم بن گیا۔ اور تبلیغ کا باقاعدہ رکن بن گیا۔ لوگ اس سے پوچھتے کہ تمہاری زندگی میں اتنا زبردست تغیر کیسے ہو گیا۔ تو وہ صرف ایک جملہ کہتا۔ " مولانا الیاس نے مجھے چھین لیا "

جس شخص کو مدرسہ کا علم اور ناظم کے اختیارات قابو میں نہیں لا سکے۔ اس کو اخلاق کی طاقت نے مسخر کر لیا۔

اس طرح کے واقعات سے مولانا الیاس صاحب کی زندگی اور تبلیغی تحریک کی تاریخ بھری ہوئی ہے۔

دعا اور محبت اخلاق اور خیر خواہی نے ہزاروں قلوب کو جیتنے میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی ہے۔ اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ تبلیغ کی زبان میں ایک عجیب تسخیری شان پیدا ہوگئی ہے۔ آپ تبلیغ کے کسی بھی جلسے میں شریک ہوکر اس کے مقررین کی تقریریں سنئے۔ آپ محسوس کریں گے کہ یہاں ایک ایسی زبان استعمال ہو رہی ہے جو ساری تحریکوں سے جدا ہے۔ اس زبان کے اجزا ہیں ـــ سادگی گھلاوٹ، حقیقت رسی فطرت سے قریب تر استدلال، روح کو مانوس کرنے والے انداز۔ دل کو چھیدنے والے کلمات، اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ تبلیغ کے کارکن، ڈاکٹر اقبال کے الفاظ میں دل کی راہ سے چلتے ہیں۔

اس لئے خواہ ان کے یہاں عقلی ساز و سامان کم ہو مگر دل والی باتوں کی بہتات ہے۔ اور یہ اس کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔

پروگرام | مولانا الیاس صاحب نے اپنے کام کا جو ابتدائی خاکہ بنایا تھا اسے وہ چھ نکات کی شکل میں بیان کرتے ہیں :-

۱۔ کلمہ اسلام کو دلوں میں بٹھانا۔
۲۔ نماز کو اس کی حقیقی شکل میں قائم کرنا۔
۳۔ دین کا علم سیکھنا۔
۴۔ اکرام مسلم۔
۵۔ تفریغ وقت۔ یعنی دنیوی مشاغل سے اپنے وقت کو فارغ کرکے جماعت کی شکل میں باہر نکلنا۔
۶۔ تصحیح نیت اور اخلاص و احتساب

ان چھ نکات کو اگر مزید گھٹایا جائے تو اس کو تین پر تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ کلمہ توحید، نماز اور تفریغ وقت بقیہ تینوں اجزاء دراصل ان ہی چیزوں کے تقاضے ہیں۔ جو ان کو صحیح طور پر اختیار کرنے کے بعد لازماً پیدا ہوتے ہیں۔ ان کو الگ سے بیان کرنا محض وضاحت کے لئے ہے نہ کہ تعین کے لئے۔

مولانا الیاس صاحب کے اس دعوتی پروگرام کی تشریح مختلف الفاظ میں بیان کی جاسکتی ہے۔ ظاہر ہے خود مولانا اس کو "حضورؐ کے طریقہ کو زندہ کرنے کی کوشش" کا نام دینا پسند کرتے تھے۔ اور اسی قسم کے الفاظ اور اصطلاحات ہیں اس کی اصل حیثیت میں ظاہر کرنے کے لئے موزوں ترین ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو جدید انداز میں بلکہ محبوب ترین انداز میں۔ لیکن وہ لوگ جو جدید انداز میں سوچتے ہیں اور جنہیں کسی بات کی صداقت کا اسی وقت پورا اطمینان ہوتا ہے جب وہ اس کی تعبیر نفسیاتی، عمرانی یا فلسفیانہ الفاظ میں سن لیں۔ ان کے ذوق کی رعایت سے بھی اس پروگرام کے بارے میں بہت کچھ کہا جاسکتا ہے۔

مولانا الیاس صاحب کی دعوت میں کلمۂ توحید کو اولین اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اس بات کا یقین کہ خدا ہی اس کائنات کا مرجع و مولیٰ ہے اور اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ شخص ہیں جن کے ذریعہ مکمل صداقت کا ظہور ہوا ہے۔ ایک شخص جب لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتا ہے تو گویا وہ اپنی اس اندرونی کیفیت کا اظہار کرتا ہے کہ اس سے اس یقین کی بنیاد قائم ہوتی ہے جو انسان کے جذبات اور امنگوں کا مرکز ہے اور وہی وہ ہستی ہے جس پر اس کو سارے معاملات میں بھروسہ اور اعتماد کرنا چاہئے اور دوسری طرف یہ اعلان گویا اس بات کا اظہار ہے کہ آدمی اس احساس سے سرشار ہے کہ وہ زندگی کا راستہ پا چکا ہے اور اسے معلوم ہو چکا ہے کہ سچائی کا سرچشمہ کیا ہے۔ جس کی رہنمائی میں اسے اپنا سفر جاری رکھنا چاہئے

یہ یقین واعتماد اور یہ شرح صدر ہی دراصل وہ چیز ہے جو سارے انقلابات کی بنیاد ہے۔ دنیا کے کسی بھی انقلاب کی تاریخ پڑھ لیجئے آپ کو ملے گا اسی قسم کا احساس۔ خواہ وہ باعتبار حقیقت صحیح ہو یا غلط کچھ لوگوں میں پیدا ہو گیا تھا اور وہی بالآخر تحریک اور انقلاب کا سبب بنا۔ فرانس کا انقلاب کیمونزم کی کامیابی اور مختلف ملکوں میں قومی آزادی کی جدوجہد دراصل اسی قسم کے احساس کی بنیاد پر شروع ہوئی اور اسی کی بنیاد پر جیتی گئی۔ ابتداً ان میں سے کسی تحریک کے پاس نہ تو ہتھیار تھے اور نہ مال و دولت کی کثرت حتیٰ کہ آئندہ بننے والے نظام کا کوئی تفصیلی نقشہ بھی نہیں تھا۔ ان کا اول و آخر سرمایہ بس ایک تخیل تھا جو ان کے دل و دماغ میں بسا ہوا تھا۔ اور وہ یہ کہ ان پر سیاسی، معاشی یا قومی سچائی کا انکشاف ہوا ہے۔ اس احساس نے ان کے دل و دماغ میں آگ لگا دی۔ ان کی قوتوں کو مجتمع کیا۔ انہیں مستقبل سے بے پرواہ کر کے وقت کے خلاف کھڑا کر دیا اور انہیں ایک ایسی مجنونانہ جدوجہد میں لگا دیا جس کا آخری انجام کامیابی ہو سکتا تھا۔

یہ اس یقین کا انجام تھا جو صرف جزئی نوعیت کا تھا اور جس کو ہم صحیح بھی نہیں سمجھتے۔ پھر وہ یقین جو کلی صداقت کی بنیاد پر پیدا ہوا اور جو فی الواقع صداقت ہو نہ کہ صرف غلط فہمی سے صداقت سمجھ لیا گیا ہو ایسی صداقت اگر دلوں میں اتر جائے اور ایسے دن کے لئے اگر جنون پیدا ہو جائے۔ تو اس کا کیا انجام ہوگا دوسری تحریکوں نے اگر کسی جغرافیائی خطہ یا زندگی کے کسی گوشہ کے لئے ذہن کو متحرک کیا ہے تو یہ عقیدہ سارے کرۂ ارض کے لئے انسان کو بے تاب کر دینے والا ہے۔ دوسری تحریکوں کے افراد اگر ملک و قوم کے نام پر توپوں کے دہانے کے آگے کھڑے ہو گئے تو وہ تحریک جس کے افراد مالک کائنات کے اعتماد پر اٹھے ہوں ان کے سیل رواں کو کون روک سکتا ہے۔ دوسری تحریک کے افراد اگر اپنے خود ساختہ تخیلات کی برتری سے لوگوں کو مرعوب کر سکتے تھے تو عالم کل اور خالق فطرت کے دئے ہوئے تصورات میں جہاں گیری کی کیا طاقت ہوگی؟ (جاری ہے)